© rasailojaraid.com

قرآن مجید اور بائبل کے تراجم

ایک مختصر تقابلی مطالعہ

(ڈاکٹر) محمود حسن الٰہ آبادی

ادب فکر و فن کی خوبصورت اور نشاط انگیز ترکیب کا نام ہے۔ اسی لیے کسی شہپارۂ ادب کے تبصرے میں دونوں پہلوؤں پر تنقیدی نظر ہوا کرتی ہے۔ ترجمہ میں چونکہ ایک زبان کی فکر کو دوسری زبان میں منتقل کرنا ہوتا ہے اس لیے اس پر تبصرہ میں فکر کا تخلیق عنصر خارج از بحث ہو جاتا ہے۔ بادی النظر میں یہ آسان کام ہے لیکن فی الحقیقت اپنے نزاکت معیار کی بنا پر ترجمہ کی محنت، تخلیق کے کرب سے کم نہیں ہے۔

ترجمہ دراصل بجائے خود ایک صنف ادب ہے لیکن اس میں حیرت کی کوئی بات نہیں کہ عالمی سطح پر موجود ادب میں اس کی تاریخ ابتدا یونانیوں تک نہیں پہنچتی۔ اس کا سبب انسائکلوپیڈیا آف لٹریچر کی تحقیق کے مطابق یہ ہے کہ "یونانی اپنی ہی زبان کی خوبیوں سے فائدہ اٹھانے میں اس قدر سرمست تھے کہ ان کا انداز دوسری 'وحشی' زبانوں کے تئیں پر از حقارت تھا۔ اس وجہ سے صنف ترجمہ کو ترقی دینے کا وہ تصور بھی نہیں کر سکتے تھے۔"[1] آگے چل کر یہی مصنف لکھتا ہے کہ "تمام اصناف میں صنف ترجمہ ہی ادب کی طویل تاریخ میں سب سے زیادہ مہجور رہی ہے"[2]

۲۔ ترجمہ کی ابتدا۔ بائبل کے ترجمے

لیکن یونانیوں کی ترجموں سے یہ بے نیازی اس لیے قائم نہ رہ سکی کہ نصرانیت کے غالب آجانے کے بعد کتاب مقدس کا ترجمہ ناگزیر ہو گیا۔ عہد نامہ عتیق OLD TESTAMENT کی اصل زبان عبرانی تھی۔ جس کا یونانی زبان میں ترجمہ ہوا۔ عہد نامۂ جدید NEW TESTAMENT میں مشمولہ تمام کتابیں یونانی ہی زبان میں لکھی گئیں۔ پوری کتاب مقدس کے جن نسخوں سے بعد کے انگریزی ترجمے وجود میں آئے ان کی اصل VULGATE پھر TYNDALE

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور پھر COVERDALE ہے جو ۱۵۳۵ء، ۱۵۲۲ء اور ۱۵۴۳ء میں شائع ہوئے ۱۵۸۲ء میں DOUAY کا انگریزی ترجمہ عہد عتیق پھر ۱۶۰۹ء میں ترجمہ عہد جدید شائع ہوا جو رومن کیتھولک فرقہ ROMAN CATHOLICS کے نزدیک معتبر ہے۔ بعد ازاں ۱۶۱۱ء میں KING JAMES کا ترجمہ شائع ہوا جو پروٹسٹنٹ فرقہ PROTESTANTS کے نزدیک معتبر ہے۔ اس کے بعض بعض جدید اڈیشنوں میں الحاقی کتب APOERYPHAS بھی شامل ہیں۔ اس لیے اس سے رومن کیتھولکس بھی فائدہ اٹھاتے ہیں۔ اس طرح دوسرے بہت سے اصناف سخن کی طرح ترجمہ کی ابتدا بھی مذہبی لٹریچر ہی سے ہوئی۔[۳] TYTLER[۴]، BATES[۵] INTERTRAFFIC[۶] اور NIDA[۷] کی فن ترجمہ پر کتابیں دراصل بنیادی طور سے انہیں ترجموں کے رموز سے بحث کرتی ہیں[۸]

۳۔ اجزائے ترجمہ

ترجمہ کے موضوع پر MATHEW ARNOLD کی کتاب ON TRANSLATING کو ایک قابل قدر کوشش قرار دیتے ہوئے انسائکلوپیڈیا آف لٹریچر کا HOPKED مقالہ نگار لکھتا ہے کہ:

ARNOLD کی کتاب کے منصۂ شہود پر آنے سے پہلے ہی F.W. NEWMAN نے جو اسقف اعظم CARDINAL کا بھائی تھا۔ اس خیال کا اظہار کر چکا تھا کہ "مترجم کو اصل تحریر جملہ خصوصیات کو اپنی تمام ممکنہ صلاحیتوں کے ساتھ غیر زبان کی رعایت رکھتے ہوئے اپنی زبان میں منتقل کرنا چاہیے" یہ بات نظری طور سے بہت اچھی معلوم ہوتی ہے۔ اصل تحریر سے وفاداری ہر مترجم کا مقصد اولین ہونا چاہیے۔ لیکن لفظ وفاداری خود ایک مبہم اصطلاح ہے ــــ NEWMAN نے یہ بھی کہا ہے اگرچہ اس کی تردید بھی کی جائے کہ ترجمہ ہمارے اہالیان وطن کے لیے اتنا ہی متاثر کن ہونا چاہیے جتنا کہ ابتدائی طور سے اصل نے اپنے اہالیان وطن کو متاثر کیا تھا ــــ MATHEW ARNOLD کا یہ بھی خیال ہے کہ مترجم کی ذمہ داری ہے کہ وہ اہل علم کو مطمئن کر دے۔"

اس کے بعد مقالہ نگار نے اپنا خیال ظاہر کیا ہے کہ "میں اسے اصول تاثیر مساوی کا نام دیتا ہوں اور اسی ترجمہ کو بہترین قرار دیتا ہوں جو سامعین

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کو تقریباً وہی تاثر دے جو اصل تحریر نے اپنے ہمعصروں میں پیدا کیا AUDIENCE تھا۔ میرے نزدیک مترجم سے اس سے زیادہ کی توقع نہیں کی جا سکتی۔"[۹]

۴۔ خصوصیات ترجمۂ بائبل

انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کا مقالہ نگار ترجمۂ بائبل کا ذکر کرتے ہوئے یوں رقمطراز ہے

"بائبل کا ترجمہ کیسا ہونا چاہیے؟ کیا الہامی اور غیر الہامی الفاظ اس بارے میں یکساں سلوک کے مستحق ہیں؟ سینٹ جیروم ST. JEROME کا اپنے پیش روؤں کی متابعت میں خیال ہے کہ بائبل کا ترجمہ لفظ بلفظ ہونا چاہیے تاکہ اس کتاب مقدس کے لامحدود عمق کا تحفظ ہو سکے۔ آگسٹائن (AUGUSTINE) کا خیال ہے کہ مترجم چونکہ ملہم الیہ نہیں ہوتا ہے اس لیے اسے صرف 'الفاظ کی خدمت' انجام دینی چاہیے۔ لفظ بلفظ ترجمہ کا یہ مطالبہ قرون وسطیٰ تک کے بائبل کے ترجموں پر حاوی رہا۔ موجودہ زمانہ میں اس نقطۂ نظر کو اکثر چیلنج کیا گیا ہے۔ مثال کے طور پر RONAL KNOX نے اپنے ترجمہ بائبل میں HILAIRE BELLOC کی نصیحت پر پوری طرح عمل کیا یعنی 'جرأت کے ساتھ مثلہ کرو۔ الفاظ کی مشکلات کو نظر انداز کرتے ہوئے متبادل طریقے سے بیان کر دو۔' (ON TRANSLATION CLARENDON PRESS - 1931) اس نظریہ کے مطابق مترجم کو اصل زبان کے اسلوب کو اپنی زبان کے متبادل طریق ادا میں تبدیل کر لینا چاہیے اور اس معاملہ میں بائبل یا کسی غیر ملہم کتاب میں کوئی امتیاز روا نہ ہونا چاہیے۔"[۱۰]

آگے چل کر یہی مصنف عہد نامۂ عتیق کے اولین ترجمے کے بارے میں یوں رقمطراز ہے

"ارسٹیاز ARISTIAS GIOOBC کے نام نہاد مکتوب میں اس بات پر اصرار کیا گیا ہے کہ عہد نامہ عتیق OLD TESTAMENT کو عبرانی سے یونانی میں منتقل کرنے کا کام فلسطین کے بہتر (۷۲) علمائے یہود نے مل کر انجام دیا ہے اور یہ کہ ان تمام مترجمین کی یکسانیت اس بات کا ثبوت ہے کہ یہ ترجمہ بالکل درست تھا اور یہ کہ یہ ترجمۂ سبعینی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(SEPTUAGINT)[۹] اس قدر قطعی الصحت تھا کہ اس پر کوئی اصلاح ناممکن تھی"۔[۱۲]

۵۔ اصولِ ترجمۂ قرآن

مندرجہ بالا مباحث سے دراصل یہ بتانا مقصود تھا کہ مترجمین بائبل یا ان کے ناقدین نے بائبل کے ترجمہ کے لیے جو اصول وضع کیے تھے۔ وہ خود ان کی پابندی نہیں کر سکے اس کے برخلاف قرآن کریم کے جو ترجمے دوسری زبانوں میں بشمول اردو زبان ہوئے ہیں وہ مغربی ناقدین فن کے مقرر کردہ اصول اور بالفعل بائبل کے ترجمہ پر ہر اعتبار سے فوقیت رکھتے ہیں۔ ہمارا روئے سخن ان ترجموں کی طرف ہے جو مسلمانوں نے کیے ہیں۔ اتنا ہی نہیں بلکہ قرآن کریم کے اردو ترجموں نے کتاب مقدس کے ترجموں (بائبل) کے برخلاف ان تراجم کو مختلف خانوں میں تقسیم کر دیا ہے اور اس طرح اقسام ترجمہ کی وہ نوعیتیں برآمد ہوئی ہیں جہاں تک ان ناقدین فن کی نگاہ نہیں پہنچی اور جن باریکیوں اور لطافتوں کا مترجمین بائبل التزام نہیں کر سکے۔

۶۔ ترجمۂ قرآن ایک مشکل امر ہے

اعجاز قرآن کو بجنسہٖ اپنی زبان میں خواہ وہ عربی ہی کیوں نہ ہو ادا کرنا ناممکن امر ہے مولانا عبد الماجد دریا بادی رحمۃ اللہ علیہ نے مولانا محمود الحسن صاحب شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے ترجمۂ قرآن کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے۔" خدا کے الفاظ کو جب کبھی انسان اپنی عبارت میں ادا کرے گا تو معنی و مفہوم کے کچھ نہ کچھ پہلو یقیناً نظر انداز ہو جائیں گے۔ تمام معانی و مطالب کی جامعیت محض قرآن ہی کا اعجاز ہے۔ اور اس اعتبار سے اس کی ہر شرح، ہر تفسیر، ہر ترجمہ کا ناقص رہ جانا ناگزیر ہے"۔[۱۳]

دوسری جگہ لکھتے ہیں:

" اللہ تعالیٰ کے کلام کو پوری طرح سمجھنا اور پھر دوسروں کو سمجھانا اور اسے سمجھانے کا حق ادا کر دینا۔ یہ بڑے عارفوں اور کاملوں کے بس کی چیز نہیں"۔[۱۴]

قرآن حکیم کے اردو تراجم (مقالہ ڈاکٹر صالحہ عبد الحکیم برائے پی۔ ایچ۔ ڈی) کے مقدمہ کا افتتاح کرتے ہوئے ڈاکٹر عبد اللہ عمر نصیف۔ الامین العام۔ رابطہ عالم اسلامی مکۃ المکرمہ لکھتے ہیں:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"ترجمہ معانی قرآن بہت مشکل امر ہے اور یہ ہر کسی کے بس کی بات نہیں۔ قرآن اللہ کا کلام ہے جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر عربی زبان میں نازل ہوا۔ اور اس کا ترجمہ کسی اور زبان میں تقریباً ناممکن ہے۔ قرآن کے معنی کا ترجمہ کئی زبانوں میں ہو چکا ہے۔ لیکن بہت کم ترجمے ایسے ہیں جنہیں علماء مسلمین نے قبول کیا ہے"[۱۵]

قرآن کے ترجمہ کی دقتوں پر اظہار خیال کرتے ہوئے مولانا عبدالماجد دریابادیؒ اپنے انگریزی ترجمہ وتفسیر کے دیباچہ میں فرماتے ہیں کہ "عظیم مصنفات میں قرآن ہی غالباً وہ کتاب ہے جو سب سے کم قابل ترجمہ ہے" اسی کے مماثل رائے محمد مارماڈیوک پکتھال نے اپنے انگریزی ترجمہ قرآن کے دیباچہ میں دی ہے"[۱۶]

۷۔ نئے ترجمے کی ضرورت

اس کے باوجود اگر ایک کے بعد دوسرے تراجم قرآن کا سلسلہ جاری رہا تو کوئی نہ کوئی ضرورت اس کی داعی رہی ہے۔ عبداللہ یوسف علیؒ اپنے ترجمہ وتفسیر قرآن بزبان انگریزی کے دیباچہ میں لکھتے ہیں:

"اگر یہ لوگ (ناظرین) محسوس فرمائیں کہ میں نے انہیں دوسرے مترجمین قرآن کے مقابلہ میں فہم معانی، اس کے استفادۂ محاسن لفظی ومعنوی یا اصل قرآن کی رفعت مرتبت تک پہنچنے میں ان کی کچھ مدد کی ہے تو میں سمجھوں گا کہ میری سعی مشکور ہوئی ہے"[۱۷]

مولانا مودودی فرماتے ہیں:

"قرآن مجید کے ترجمہ وتفسیر پر ہماری زبان میں اب تک اتنا کام ہو چکا ہے کہ اب کسی شخص کا محض برکت وسعادت کی خاطر ایک نیا ترجمہ یا ایک نئی تفسیر شائع کر دینا وقت اور محنت کا کوئی صحیح مصرف نہیں ہے۔ اس راہ میں مزید کوشش اگر معقول ہو سکتی ہے تو صرف اس صورت میں جب کہ آدمی کسی ایسی کسر کو پورا کر رہا ہو جو مترجمین ومفسرین کے کام میں باقی رہ گئی ہو یا طالبین قرآن کی کسی ایسی ضرورت کو پورا کرے جو پچھلے تراجم وتفاسیر سے پوری نہ ہوتی ہو"[۱۸]

۸۔ ترجمۂ قرآن کے فوائد

قرآن کا ترجمہ عوام وخواص دونوں کے لیے نافع ہے لیکن دونوں کی ضروریات جداگانہ ہیں۔ ترجمہ وتفسیر دونوں کو اس طرح دو خانوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ (۱) علماء،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور محققین کی ضروریات (۲) اوسط درجہ کے لوگوں کی ضروریات۔ چونکہ ان دونوں طبقوں کے معیار علم اور ذوق میں بین فرق ہوتا ہے اس لیے ضروری ہے کہ ترجمہ آسان اور سہل زبان میں ہو تاکہ دونوں طبقے اس سے یکساں مستفید ہو سکیں۔ ترجمہ قرآن سے مندرجہ ذیل فوائد مقصود ہوتے ہیں۔

(۱) روح قرآن تک پہنچنے کی کوشش (۲) حقیقی مدعائے قرآن سے روشناس ہونے کی طلب (۳) وہی اثر قبول کرنا جو قرآن ڈالنا چاہتا ہے (۴) ذہنی الجھنوں کا صاف کرنا (۵) ناسخ و منسوخ کے درمیان فرق کرنا (۶) تقیید مطلق یا اطلاق مقید کا علم حاصل کرنا (۷) تقدیم و تاخیر، راجح و مرجوح کے درمیان فرق کرنا (۸) اعجاز قرآن کی تبیین جن میں اعجاز لغوی، اعجاز معنوی، اعجاز تشریعی اور بلاغت قرآن شامل ہیں۔

مندرجہ بالا ہشت نکاتی مقاصد کے حصول کی خاطر مترجمین قرآن نے مختلف اسالیب اختیار کیے ہیں۔ لیکن قبل اس کے کہ ان اسالیب پر گفتگو کی جائے جن سے اقسام ترجمہ برآمد ہوتی ہیں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مشکلات ترجمہ کے علاوہ اس احتیاط کا بھی ذکر کر دیا جائے جو ترجمہ قرآن میں ہمیشہ ملحوظ رکھی گئی ہے۔

۹۔ مشکلات ترجمہ

دیگر کتابوں کے مقابلہ میں قرآن کا ترجمہ اس لیے زیادہ مشکل ہے کہ:

۱۔ قرآن کی زبان تحریری نہیں بلکہ تقریری ہے اور ترجمہ میں تقریر کی زبان کو تحریر کی زبان میں منتقل کرنا پڑتا ہے جو ایک دشوار امر ہے۔

۲۔ تقریر میں جملہ ہائے معترضہ نہیں ہوا کرتے۔ جبکہ تحریر میں جملہ ہائے معترضہ کا ہے کر کلام کو واضح کیا جاتا ہے۔

۳۔ تحریر میں ماحول سے رشتہ جوڑنا پڑتا ہے۔ تقریر میں ماحول تقریر سے رشتہ جوڑتا ہے۔ اس لیے مجبوراً سامعین کی فہم گفتگو میں کوئی خلا نہیں چھوڑتے۔

۴۔ تحریر میں صیغہ ہائے واحد، تثنیہ و جمع نیز غائب، حاضر اور متکلم یکساں رہتے ہیں لیکن تقریر میں ایک ہی مخاطب مختلف انداز سے خطاب کیا جاتا ہے۔ متکلم کا بھی انداز خطابت بدلتا رہتا ہے یہ تقریر کا حسن اور تحریر کا عیب ہے۔

۵۔ قرآن انداز تقریر کی اس کمزوری سے پاک ہے جس میں صرف جذبات کا دخل

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہوتا ہے۔ اور جس سے تحکم کی شان تو ظاہر ہوتی ہے لیکن قوانین حیات وضع نہیں ہوتے

۶۔ قرآن عربی مبین میں نازل ہوا ہے لیکن اس کے ساتھ اس کی ایک مخصوص اصطلاحی زبان ہے۔

۷۔ بکثرت الفاظ کو قرآن لغوی معنوں سے ہٹا کر ایک خاص معنی میں استعمال کرتا ہے۔

۸۔ ربط کلام کو واضح کرنے کے لیے اسی لیے مترجم قرآن کو یا تو قوسین سے کام لینا پڑتا ہے یا تفسیری حواشی سے۔ لیکن بہتر ترجمہ وہ ہے جس میں ان دونوں طرح کے اضافوں کا کم سے کم استعمال ہوا ہو[9]

۱۰۔ قرآن محفوظ ہے

یہ بات کسی واضح ثبوت کی محتاج نہیں ہے کہ بائبل کے محرف ہونے کا ایک سبب اس کا بذریعہ ترجمہ ایک زبان سے دوسری زبان میں منتقل ہونا ہے۔ توریت اور انجیل دونوں کے اصل نسخوں کا تو کوئی وجود ہے ہی نہیں کئی صدیوں بعد تک کے بھی نسخے موجود نہیں ہیں۔ ہمارے پاس کتاب مقدس کی جو جلدیں پائی جاتی ہیں وہ دراصل اپنے اصل کے بہت بعد کے کسی مخطوطہ کے ترجمہ اور ترجمہ در ترجمہ سے تیار شدہ ہیں اس لیے ان کی صوری اور معنوی شکل بدلتے بدلتے کچھ سے کچھ ہو چکی ہے۔ لیکن قرآن کی حفاظت کا ذمہ اللہ نے خود لیا ہے۔ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ (الحجر ۹) یعنی ہم ہی نے اسے نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کے نگہبان ہیں۔ اس کی حفاظت کی صورت اس نے یہ کی کہ قرآن کو سینوں، سفینوں اور متواتر عمل کے ذریعہ محفوظ کر دیا۔

امت مسلمہ نے اس حفاظت کی ذمہ داری اس طرح قبول کی کہ اول تو ترجموں میں مترجمین نے اپنی طرف سے کوئی آمیزش نہیں کی۔ دوسرے یہ کہ ہر ترجمہ خواہ کسی بھی زبان میں ہو براہ راست اصل قرآن عربی سے ہوا جس کے نتیجہ میں ترجمہ در ترجمہ یا بالواسطہ ترجمہ کا مرض نہیں پیدا ہو پایا۔ قرآن کریم کے جتنے معتبر ترجمے عام اور متداول ہیں ان میں سے کسی پر کلی یا جزوی تحریف معنوی کا الزام نہیں ہے۔

۱۱۔ فساد ترجمہ کی ایک شرمناک مثال

اس کے برخلاف بائبل میں فساد ترجمہ کی ایک مثال یہ بتانے کے لیے کافی ہوگی

کہ اس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کہ اگر ترجمہ میں دیانت کو ملحوظ نہ رکھا جائے تو اس کے کیا نتائج بد سامنے آتے ہیں۔

جیسا کہ عرض کیا گیا موجودہ اناجیل اربعہ ساری کی ساری یونانی زبان میں لکھی گئیں۔ حالانکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زبان سریانی زبان کی ایک شاخ (DIALECT) آرامی تھی۔ ان اناجیل اربعہ کے کسی بھی مصنف کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواری ہونے کا شرف حاصل نہیں تھا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کا جو پیشگوئی کی تھی اور جس کا ذکر سورۃ الصف کی آیت ۶ [۱۰] میں آیا ہے۔ اسے متی۔ لوقا۔ اور مرقس نے بالکل ہی اڑا دیا ہے۔ چوتھے مصنف یوحنا نے خود یا اس کے بعد کسی اور نے اصل لفظ کو ہٹا کر اس کی جگہ دوسرا لفظ لکھ کر مطلب کچھ کا کچھ کر دیا۔ ابن ہشام کی تصریح کے مطابق یہ لفظ منحمنا تھا جس کے معنی ہوتے ہیں ستودہ صفات یعنی محمد یا احمد۔ قطع نظر اس کے کہ اعلام کا ترجمہ کرنا اصلاً بد دیانتی ہے یونانی میں اس کا ترجمہ PERICLYTOS ہوتا ہے۔ لیکن چونکہ عیسائیوں کو یہ نام اپنی کتاب مقدس سے خارج کرنا مقصود تھا اس لیے انہوں نے لفظ PERICLYTOS کو PARACLETUS سے تبدیل کر دیا [۱۱]۔ جس کا ترجمہ نہایت آسانی سے روح القدس کر دیا۔ اسی لفظ کو کہیں دنیا کا سردار [۱۲] سے تعبیر کیا اور کہیں مددگار سے [۱۳]۔ حالانکہ حضرت مسیح علیہ السلام کے اصل شاگرد برنا باس (BARNABAS) نے جو انجیل لکھی ہے اس میں صاف صاف لفظ محمد کا استعمال تین جگہ ہوا ہے [۱۴]۔ واضح رہے کہ یہ وہی برنا باس ہے جسے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش سے ۵۰ سال قبل ہی پوپ گلاسیس اول (POPE GLASIUS I) نے خارج از دین مسیحی قرار دے کر اس کی مرتب کردہ انجیل کو گمراہ کن (HERETICAL) قرار دے دیا تھا۔ تب سے اب تک یہ انجیل جو اپنے عقائد نیز دیگر تفصیلات میں قرآن سے بہت کچھ ملتی جلتی ہے عیسائیوں میں ممنوع القرأت چلی آ رہی ہے [۱۵]۔

اس مثال سے دو چیزیں واضح طور سے سامنے آتی ہیں۔ ایک تو یہ کہ ترجمہ میں اگر احتیاط ملحوظ نہ رکھی جائے تو انسان کہیں سے کہیں جا پہنچتا ہے۔ دوسرے یہ کہ عیسائیوں نے اپنی کتاب مقدس کی وہ حفاظت نہیں کی جو حفاظت الحمدللہ مسلمان قرآن کریم کی کرتے چلے آ رہے ہیں۔ اور جس کی وجہ سے کبھی کبھی کچھ ترجموں پر محتاط لوگوں کی طرف سے کچھ اعتراضات بھی وارد کیے گئے ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۱۲۔ اقسام ترجمۂ قرآن

مشکلات ترجمہ کے ذیل میں ہم بیان کر آئے ہیں کہ ربط کلام کو واضح کرنے کے لیے مترجم کبھی کبھی قوسین سے کام لیتا ہے۔ لیکن قوسین کا استعمال بھی کئی طرح سے کیا گیا ہے۔ ان سبھوں کا جائزہ لینے سے تراجم قرآن کی مندرجہ ذیل اقسام متعین ہوتی ہیں۔

(۱) **ترجمہ لفظی تحت اللفظ** ۔ یعنی قرآن کے ہر لفظ کا ترجمہ بعینہ اسی لفظ کے نیچے لکھا جائے اور متعلقات اسم وفعل کے اضافوں سے نثری ترکیب پوری کی جائے۔ اس کی نمایاں مثال شاہ رفیع الدین صاحب محدث دہلویؒ (م ۱۲۳۳ھ مطابق ۱۸۱۷ء) کا ترجمہ موسوم بہ "تفسیر رفیعی" ہے جو پہلی بار دو جلدوں میں بالترتیب ۱۲۵۴ھ/۱۸۳۸ء اور ۱۲۵۶ھ/۱۸۴۰ء میں کلکتہ سے شائع ہوا۔ یہ ترجمہ اپنی مقبولیت اور حسن بنا پر آج بھی بار بار طبع ہو رہا ہے۔

(۲) **ترجمہ لفظی با محاورہ** ۔ جس میں عربی تراکیب کا ترجمہ اردو نحوی تراکیب کے ساتھ صحت و التزام الفاظ کے ساتھ کیا جائے۔ اس ترجمہ کی نمایاں مثال شاہ عبدالقادر محدث دہلویؒ کا ترجمہ و تفسیر موسوم بہ "موضح القرآن" ہے جو ۱۲۰۵ھ میں مکمل ہوا۔ اور پہلی بار دہلی کے مطبع احمدی میں ۱۲۴۵ھ/۱۸۲۹ء میں طبع ہو کر شائع ہوا۔ یہ ترجمہ بھی اپنی مقبولیت کی بنا پر آج تک طبع و اشاعت کے مراحل سے برابر گزر رہا ہے۔ اس کی مقبولیت اور وسعت کا اندازہ لگانے کے لیے یہ بات بالکل کافی ہے کہ ۱۳۴۲ھ/۱۹۲۳ء میں یعنی اس کی تیاری کے ایک سو تینتیس (۱۳۳) سال بعد شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب دیوبندیؒ (م ۱۳۳۸ھ/۱۹۱۹ء) کا جو ترجمہ شائع ہوا وہ من و عن اسی ترجمہ کی تحسین زبان پر مبنی تھا جس کا اعتراف مترجم رحمۃ اللہ علیہ نے خود کیا ہے۔

مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسریؒ (م ۱۳۶۷ھ مطابق ۱۹۴۷ء) کا ترجمہ و تفسیر قرآن موسوم بہ "تفسیر ثنائی" (طبع اول ۱۳۱۳ھ/۱۸۹۵ء) اور مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی (م ۱۳۴۰ھ/۱۹۲۱ء) کا ترجمہ کنز الایمان (تاریخ تکمیل ۱۳۳۰ھ/۱۹۱۱ء) بھی اسی قبیل سے ہیں۔

(۳) **ترجمہ لفظی با محاورہ بالتزام قوسین** ۔ یہ وہ تراجم ہیں جن میں الفاظ قرآنی کی مکمل پاسداری کی گئی ہے۔ لیکن توضیح مقصد کے لیے کسی میں کم اور کسی میں زیادہ قوسین میں چند الفاظ یا جملوں کا اضافہ کیا گیا ہے۔ اس کی مثال میں مولانا اشرف علی تھانویؒ (م ۱۳۶۲ھ/۱۹۴۳ء) کے ترجمہ و تفسیر بیان القرآن (طبع اول ۱۳۲۶ھ/۱۹۰۸ء) اور ڈپٹی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نذیر احمدؒ (م ۱۳۳۱ھ / ۱۹۱۲ء) کے ترجمہ وتشریح "غرائب القرآن" (طبع اول ۱۳۱۷ھ / ۱۸۹۹ء) کو پیش کیا جا سکتا ہے[عله]۔ مولانا ابوالکلام آزاد کا نامکمل ترجمہ وتفسیر موسومہ ترجمان القرآن (طبع اول ۱۳۵۰ھ / ۱۹۳۱ء) بھی اسی ذیل میں آتا ہے۔ لیکن مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے دراصل قوسین سے تشریح نہیں بلکہ تفسیر کا کام لیا ہے۔

ان تمام ترجموں میں ایک بات مشترک ہے قوسین سے باہر بھی ایک مربوط عبارت ہے جو قرآن کے اصل الفاظ کا ترجمہ ہے اور اس عبارت کو عبارت بین القوسین کے ساتھ ملا کر پڑھنے سے بھی ایک مربوط عبارت بنتی ہے۔ اس طرح ترجمہ اور تشریح یا تفسیر کہیں خلط ملط نہیں ہیں۔

(۴) <u>ترجمانی قرآن</u>۔ ترجمانی قرآن سے مطلب یہ ہے کہ قرآن کی پوری آیت کو پڑھ کر جو مفہوم مع التاثیر ظاہر ہوتا ہے اسے بجنسہ اردو کے قالب میں ڈھال دیا جائے۔ دراصل ایسا کوئی ترجمہ جس میں صرف ترجمانی کی گئی ہو اردو زبان میں موجود نہیں ہے ہم نے ذیلی عنوان صرف اس لیے قائم کیا ہے کہ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ (م ۱۹۷۹ء) نے اپنے ترجمہ قرآن کو ترجمانی سے موسوم کیا ہے ورنہ حقیقت یہ ہے کہ یہ ایک بہترین لفظی یا محاورہ ترجمہ ہے جس میں کہیں کہیں بہترین ادائے مطلب یا توضیح کی خاطر قوسین سے کام لیا گیا ہے۔ اور جیسا کہ مترجم رحمہ اللہ نے خود لکھا ہے کہ ترجمانی کی جرات انہوں نے صرف کہیں کہیں ہی کی ہے اور وہ بھی اکثر بین القوسین۔ اس لیے یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ ترجمانی قرآن نام کی کوئی چیز اردو تراجم قرآن میں ابھی تک پائی نہیں گئی ہے۔ مولانا مرحوم کی یہ تفسیر موسوم بہ "تفہیم القرآن" چھ ضخیم جلدوں میں ہے اور اس کی جلد اول ۱۳۶۸ھ / ۱۹۴۹ء میں شائع ہوئی ہے۔

عله۔ ہمارے بعض ناقدین یہ سمجھتے ہیں کہ ڈپٹی صاحب کے ترجمہ پر جو اعتراضات کیے گئے اس کا سبب قوسین کا بکثرت استعمال یا التزام ہے۔ اس کا جواب بھی دینے کی کوشش کی گئی ہے۔ (ماہنامہ شبخون الہ آباد ۱۵۴۔۱۵۱ مارچ۔ اپریل ۱۹۸۹ء ص ۱۵) قوسین کے بکثرت استعمال پر اگر کوئی اعتراض ہو سکتا ہے تو اس سے مولانا تھانوی اور مولانا آزاد بھی بچ نہیں سکتے۔ ڈپٹی صاحب کے ترجمہ پر اعتراض کے اسباب دوسرے تھے۔ اس کی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو ہمارا مقالہ "ترجمہ وتفسیر غرائب القرآن" مطبوعہ سہ ماہی "تحقیقات اسلامی"، علی گڑھ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اپنے ترجمہ کے بارے میں مولانا مرحوم مقدمہ تفسیر میں فرماتے ہیں۔

"میں نے اس میں قرآن کے الفاظ کو اردو کا جامہ پہنانے کے بجائے یہ کوشش کی ہے کہ قرآن کی ایک عبارت کو پڑھ کر جو مفہوم میری سمجھ میں آتا ہے اور جو اثر میرے دل پر پڑتا ہے اسے حتی الامکان صحت کے ساتھ اپنی زبان میں منتقل کر دوں۔ اسلوب بیان میں ترجمہ پن نہ ہو عربی مبین کی ترجمانی اردوئے مبین میں ہو۔ تقریر کا ربط فطری طریقے سے تحریر کی زبان میں ظاہر ہو۔ اور کلام الٰہی کا مطلب و مدعا صاف صاف واضح ہونے کے ساتھ اس کا شاہانہ وقار اور زور بیان بھی جہاں تک بس چلے ترجمانی میں منعکس ہو جائے۔ اس طرح کے آزاد ترجمے کے لیے یہ تو بہرحال ناگزیر تھا کہ لفظی پابندیوں سے نکل کر اداے مطلب کی جسارت کی جائے۔ لیکن معاملہ کلام الٰہی کا تھا اس لیے میں نے بہت ڈرتے ڈرتے ہی یہ آزادی برتی ہے"[۲۹]

اس ترجمہ کے بارے میں ڈاکٹر صالحہ عبدالحلیم نے بہت نپی تلی رائے ظاہر کی ہے

"واقعی مولانا نے 'آزاد ترجمہ' کی بات تو کی ہے لیکن بالکل صحیح ہے کہ 'ڈرتے ڈرتے ہی یہ آزادی برتی ہے۔ مولانا ایک عظیم عالم اور مخلص دین تھے۔ 'آزاد ترجمہ' کی اجازت لے کر بھی انہوں نے حدود کا ہمیشہ خیال رکھا۔ کلام الٰہی کی عظمت اور سمت کو قائم رکھ کر اس کی ترجمانی کرنا ان کا مقصد شروع سے آخر تک رہا"[۳۰]

(۵) **مفہوم القرآن** ۔ اقسام ترجمہ کی یہ فہرست مکمل نہ ہوگی جب تک تحریف قرآن کی ایک سعی نامحمود کا بھی ذکر نہ کر دیا جائے۔ یہ ترجمہ قرآن چودھری غلام احمد پرویز صاحب نے کیا ہے جو دو جلدوں میں ادارہ طلوع اسلام لاہور کی طرف سے شائع ہوا ہے۔ انہوں نے اس ترجمہ قرآن میں بزعم خود قرآن کے مفہوم کو اپنی زبان میں بہ التزام متن بیان کیا ہے۔ لیکن فی الحقیقت انہوں نے قرآن کا مفہوم نہیں بیان کیا بلکہ اپنی مزعومہ "قرآنی نظام ربوبیت" کی "تہمت" قرآن پر عائد کی ہے چونکہ ان کے مفہوم کا لغوی معنوی یا اصطلاحی تعلق یا عقلی و نقلی ثبوت گزشتہ چودہ صدیوں کے اسلامی لٹریچر میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

موجود نہیں تھا۔ اس لیے موصوف نے قرآن فہمی کے لیے ایک لغت بھی "لغات القرآن" کے نام سے تصنیف کر ڈالی۔ یہ لغت بھی ادارہ طلوع اسلام لاہور کی طرف سے شائع ہوئی ہے۔ "مفہوم القرآن" بحوالہ "لغات القرآن" کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ گویا قرآن خلا میں تیرتا ہوا خود چودھری غلام احمد پرویز کے اوپر نازل ہوا ہے۔ اور معاذ اللہ اس کا کوئی تعلق مہبط وحی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے ہی نہیں۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

اقسام ترجمہ کی مندرجہ بالا تفصیل عرض کرنے کی غایت ایک تو یہ ہے کہ لوگوں کو یہ معلوم ہو جائے کہ دوسری کتابوں اور بالخصوص بائبل کے مقابلہ میں قرآن کریم کے ترجموں میں مترجمین نے کس درجہ احتیاط ملحوظ رکھی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج تک قرآن کا وہی متفق علیہ مفہوم چلا آرہا ہے جو ملہم الیہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اور ان کی زبانی تھا۔ اگر اس میں تحریف پیدا کرنے کی کوشش کی گئی تو امت نے اسے بالکل قبول نہیں کیا۔ "مفہوم القرآن" مرتبہ چودھری غلام احمد پرویز کا حشر ہمارے سامنے ہے۔ دوسرا سبب اس تفصیل کا یہ ہے کہ یہ متعین کیا جائے کہ ڈپٹی صاحب کا ترجمہ "غرائب القرآن" کس صف میں آتا ہے۔

۱۳۔ تشریح بین القوسین

اب تک قرآن کے جتنے تراجم ہوئے ہیں۔ اگر ان کا بامعان نظر مطالعہ کیا جائے تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ تشریح بین القوسین کی تین قسمیں ہیں اور مترجمین نے اپنے ذوق یا اصول ترجمہ کے لحاظ سے ان میں سے ایک یا چند کو استعمال کیا ہے۔

(۱) **تشریح نحوی**۔ عربی اور اردو زبان کے قواعد میں جو فرق ہوتا ہے۔ اس کی وجہ سے کبھی کبھی صیغوں، اشاروں یا ضمائر کو ظاہر کرنا پڑتا ہے۔ مترجمین اس کے لیے بالعموم قوسین کا اہتمام نہیں کرتے۔ لیکن محتاط مترجمین نے ان اضافوں کو بھی بین القوسین تحریر کیا ہے۔ ڈپٹی نذیر احمد کی زبان میں "عربی گرامر کے بہت سے قاعدے اور رسوم اردو زبان میں ناپید ہیں۔ درانحالیکہ یہ قاعدے اور رسوم متن قرآن کے کردار کو قائم کرنے میں بہت اہم ہیں"[۴۵] یہ تشریح اسی نقصان کو پورا کرنے کیلیے اختیار کی گئی ہے۔

(۲) **تشریح معنوی**۔ کہیں کہیں ایک یا دو الفاظ کے اضافی استعمال سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

معنی قرآن کا منشا زیادہ واضح ہو جاتا ہے۔ اسے مترجمین نے کہیں بین القوسین اور کہیں بلا قوسین کے بیان کیا ہے۔ مولانا مودودیؒ نے تشریح بلا قوسین کی وجہ سے اپنے ترجمہ قرآن کو ترجمانی کا لقب دیا ہے۔ لیکن ہمارے نزدیک یہ بھی ترجمانی نہیں بلکہ ترجمہ ہی ہے۔

(۳) **تشریح تفسیری** ۔ یہ وہ تشریح ہے جس میں مترجم ایک سے زیادہ معانی میں سے کسی ایک ہی کو اپنانا چاہتا ہے۔ بالعموم ایسی صورت میں مفسرین اپنی تفسیر میں ان تمام ممکنہ اقوال تفاسیر کا ذکر کرتے ہیں۔ پھر اپنے اختیار کردہ مفہوم کے وجوہ ترجیح بیان کرتے ہیں لیکن جو مترجمین تفسیر کی تفصیلات میں نہیں جانا چاہتے وہ تشریح بین القوسین سے کام لے کر اپنی بات کی وضاحت کر جاتے ہیں۔ مولانا ابوالکلام آزاد کی بیشتر تشریحات بین القوسین تشریح تفسیری ہی کے ذیل میں آتی ہیں۔

ڈپٹی نذیر احمدؒ نے تشریح بین القوسین میں ان تینوں اقسام کا استعمال روا رکھا ہے۔ اگرچہ وہ تشریح تفسیری سے بچ بھی سکتے تھے۔ کیونکہ حاشیہ پر انہوں نے قابل تشریح مقامات کی تفسیر بھی کی ہے۔ ہم اس کی وضاحت صرف ایک آیت سے کریں گے جس میں ڈپٹی صاحب نے تینوں اقسام تشریح بین القوسین کا استعمال کیا ہے۔

وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّورَ ۔ خُذُوا مَا آتَيْنَاكُم بِقُوَّةٍ وَاذْكُرُوا مَا فِيهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ۝ (البقرۃ ۶۳)۔ اور (اے بنی اسرائیل) وہ وقت یاد کرو) جب ہم نے تم سے (تورات کی تعمیل کا) اقرار لیا۔ اور طور (پہاڑ) کو اٹھا کر تمہارے اوپر لا لٹکایا (اور فرمایا کہ یہ کتاب تورات) جو ہم نے تم کو دی ہے اس کو مضبوطی سے پکڑے رہو اور جو اسمیں لکھا ہے (اس کو) یاد رکھو تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ۔

اس مختصر سی آیت میں ضمیر اشارہ (اس کو) تشریح نحوی ہے۔ (اور فرمایا کہ یہ کتاب تورات) تشریح تفسیری ہے۔ بقیہ تمام عبارات بین القوسین تشریح معنوی داخل ہیں۔

(۴) **تشریح اور تفسیر کا فرق** ۔ تشریح بین القوسین کا حق جن مترجمین نے استعمال کیا ہے ان سبھوں کے یہاں بالعموم تشریح کی یہ تینوں قسمیں پائی جاتی ہیں۔ دور متوسط کے مترجمین قرآن میں نواب وحید الزماں صاحبؒ حیدرآبادی نے اپنی تفسیر و ترجمہ وحیدی میں بکثرت قوسین کا استعمال کیا ہے۔ ڈپٹی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نذیر احمد کے معترض خاص مولانا اشرف علی تھانویؒ کے یہاں تشریح بین القوسین کی بھرمار ہے لیکن اس تشریح تفسیری کا سب سے زیادہ استعمال مولانا ابوالکلام آزادؒ نے کیا ہے۔ ان کے تشریحی نوٹس فی الاصل ترجمان القرآن کی جان ہیں جن میں انہوں نے تحقیق و معارف کے دریا بہائے ہیں۔ مختصر تفسیر کو وہ کبھی مختصر اور کبھی طول طویل عبارات بین القوسین میں ادا کرتے ہیں۔ حواشی میں وہ بالعموم اختلافات کا ذکر کرتے ہیں یا حوالہ جات کا اہتمام کرتے ہیں یا پھر کسی کتاب یا مصنف کا تعارف کراتے ہیں۔ ڈپٹی نذیر احمد صاحب کے یہاں عبارات بین القوسین بہت مختصر ہوا کرتے ہیں اور ایسا وہ اس لیے کرتے ہیں کہ ترجمہ میں اضافہ عبارت کے مرتکب بھی نہ ہوں اور نہ عبارت زیادہ شستہ و رفتہ بھی ہو جائے اس باب میں وہ کامیاب بھی ہیں لیکن بار بار قوسین کا استعمال بسا اوقات گراں گزرتا ہے۔ ڈپٹی صاحب نے تفسیری حواشی حاشیہ میں نقل کیے ہیں۔ یہ بھی مختصر ترین ہیں لیکن اس کا پایہ نہ تو موضح القرآن کی طرح تحقیقی ہے اور نہ اس میں اتنی جان ہے۔ انہوں نے فقط اتنا ہی حاشیہ لکھا ہے جتنا متن کو سمجھنے کے لیے ضروری ہے۔

واضح رہے کہ تفاسیر کا مزاج ذوقی ہوتا ہے اور مفسر اپنے ذوق و مزاج کے مطابق قرآن کی تفسیر بیان کرتا ہے۔ اگر یہ تفسیر قرآن و حدیث کے کسی جزء، اس کے مقصد یا فی الجملہ دین کے مزاج کے خلاف نہیں ہے۔ اور قرآن کے الفاظ، عربی زبان کی وسعت اور کلام عرب کا استشہاد اس کے لیے جواز فراہم کرتے ہیں تو یہ تفسیر بالرائے نہیں ہے۔ مفسر کے ایک تفسیر بیان کرنے کا مطلب یہ نہیں ہوا کرتا کہ دوسری تفسیر ممکن ہی نہیں ہے۔ یہی تو قرآن کا اعجاز ہے۔ ورنہ اتنی تفاسیر وجود میں نہ آتیں۔ ہاں اگر کبھی مفسر کسی ایک رائے کو قبول اور دوسری رایوں کو غلط ثابت کرنا چاہتا ہے تو اپنی رائے کے حق میں دلائل پیش کرتا اور دوسرے تمام اقوال کو بدلائل رد کرتا ہے۔ اس کی مثالیں سب سے زیادہ مولانا حمید الدین فراہیؒ کے اجزائے تفاسیر قرآن اور مولانا امین احسن اصلاحی کے تدبر قرآن میں ملتی ہیں۔ مولانا آزاد کے ترجمان القرآن میں کہیں کہیں تفرد رائے پر اصرار کیا گیا ہے۔ ڈپٹی نذیر احمد مرحوم نے اپنی تشریحات میں کہیں بھی ان تفردات کے درمیان نہ تو محاکمہ کیا اور نہ کسی شخصی رائے پر اصرار کیا ہے۔

© rasailojaraid.com

حواشی

۱؎ Encyclopedia of literature, Vol.I, LONDON, 1953, Page 554.

۲؎ - ایضاً -

۳؎ (1) Encyclopedia of Religion And Ethis Edinburgh 1962, Vol.II, page 586.

(2) Encyclopedia Britanica, Vol.3, U.S.A., 1965, Page 581.

3) Ahmad Deedat, Is the Bible God's Word 1987, page 20.
Islamic propogation Centre, International Durban, S.Africa.

۴؎ A.F. Tytler (Lord Woodhouselee) Essay on principles of Translation (1790-Everyman 1907).

۵؎ E.S. Bales, Modern Translation (1936).

۶؎ Intertraffic, Studies In Translation 1943

۷؎ E.A. NIDA, GOD'S WORD IN MAN'S LANGUAGE (New York 1952).

۸؎ Encyclopaedia of Literature vol.I London 1953, Page 559.

۹؎ - ایضاً - صفحہ 555

۱۰؎ Encyclopedia Britanica Vol, 3, U.S.A. 1965. Page 581.

۱۱؎ C 100BC.

۱۲؎ Encyclopedia Britanica, Vol, 3, U.S.A. 1965. Page 581.

۱۳؎ ڈاکٹر صالحہ عبدالحکیم - قرآن حکیم کے اردو تراجم - مقالہ برائے پی - ایچ - ڈی (بمبئی یونیورسٹی) شرف الدین الکتبی واولادہٗ - بمبئی ۱۹۸۴ء/۱۴۰۴ھ - صفحہ ۳۶۵

۱۴؎ دیباچہ ترجمہ وتفسیر مولانا عبدالماجد دریابادی - تاج کمپنی کراچی - ۱۹۵۳ء - بحوالہ ڈاکٹر صالحہ - صفحہ ۳۶۴

۱۵؎ مقدمہ قرآن حکیم کے اردو تراجم - صالحہ عبدالحکیم

۱۶؎ بحوالہ صالحہ - صفحہ ۷۲ - ۱۶(ا) دیباچہ انگریزی ترجمہ قرآن از محمد مارما ڈیوک پکتھال

۱۷؎ Abdullah yusuf Ali, The Holy Quran Text and Translation Preface to first edition - 1934. Page - iii.

۱۸؎ دیباچہ تفہیم القرآن از سید ابوالاعلیٰ مودودی - مشمولہ تلخیص تفہیم القرآن مرکزی مکتبہ اسلامی. دہلی ۱۹۸۴ء

۳۲۵

© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

صفحہ ۵ ۔ نیز تفہیم القرآن جلد اول ص: ۵

۱۹ھ ملخص از دیباچہ تفہیم القرآن ۔ اس میں شق (۵) صاحب مضمون کا اضافہ ہے ۔

۲۰ھ واذ قال عیسی ابن مریم یٰبنی اسرائیل انی رسول اللہ الیکم مصدقا لمابین یدی من التوراۃ ومبشرا برسول یاتی من بعد اسمہ احمد ۔ فلما جاءہم بالبینٰت قالوا ھذا سحر مبین (الصف ۔ ۶) اور یاد کرو عیسیٰ ابن مریم کی وہ بات جو اس نے کہی تھی کہ " اے بنی اسرائیل، میں تمہاری طرف اللہ کا بھیجا ہوا رسول ہوں ۔ تصدیق کرنے والا ہوں اس تورات کی جو مجھ سے پہلے آئی موجود ہے اور بشارت دینے والا ہوں ایک رسول کی جو میرے بعد آئے گا جس کا نام احمد ہوگا " مگر جب وہ ان کے پاس کھلی کھلی نشانیاں لے کر آیا تو انہوں نے کہا یہ صریح دھوکا ہے ۔

۲۱ھ انجیل یوحنا ۱۴: ۲۶

۲۲ھ یوحنا ۱۴: ۳۱

۲۳ھ یوحنا ۱۵: ۲۶ ، ۱۶: ۷

۲۴ھ انجیل برناباس ۷: ۹۷

۲۵ھ ماخوذ از تفہیم القرآن ۔ جلد پنجم ص ۴۶۱ تا ۴۷۵ از ابوالاعلیٰ مودودیؒ

۲۶ھ دیباچہ تفہیم از مولانا مودودیؒ جلد اول ص " تلخیص تفہیم القرآن ص ۷

۲۷ھ صالحہ ص ۳۵۸ ۔ ۲۸ھ (الف) بحوالہ ماہنامہ شبنوں الٰہ آباد ۱۵۴ بابت مارچ ۔ اپریل ۸۹ء ص ۵۱

۲۸ھ ملاحظہ ہو صالحہ صفحہ ۲۴۳

ادارۂ تحقیق کی مطبوعات کے علاوہ دوسرے مکتبوں کی دینی کتب بھی آپ ہم سے طلب کر سکتے ہیں بعض کتابوں کے نام یہاں دیے جا رہے ہیں ۔

۱۔ بخاری شریف اردو ترجمہ مکمل ۳ جلدوں میں	۴۵۰/=	۷۔ تذکرہ مولانا ابوالکلام آزاد	۶۰/=
۲۔ مسلم شریف اردو ترجمہ ۶ جلدوں میں	۲۵۰/=	۸۔ غبار خاطر "	۴۰/=
۳۔ مشکوٰۃ المصابیح اردو ترجمہ مکمل ۳ جلدوں میں	۱۹۵/=	۹۔ خطبات آزاد "	۵۰/=
۴۔ موطا امام مالک اردو ترجمہ	۸۵/=	۱۰۔ مسلمان عورت "	۲۰/=
۵۔ ترجمہ عوارف المعارف (حضرت شہاب الدین سہروردی)	۹۰/=	۱۱۔ عزیمت و دعوت "	۸/=
۶۔ ترجمہ الخصائص الکبریٰ	۱۱۵/=	۱۲۔ اصحاب کہف "	۸/=
		۱۳۔ انتخاب الہلال "	۲۵/=

ملنے کا پتہ ۔ مکتبہ تحقیق و تصنیف اسلامی: پان والی کوٹھی ۔ دودھ پور، علی گڑھ ۲۰۲۰۰۱

© rasailojaraid.com